جذبہ

05-31-2017

فہرست

صحت

سچی کہانیاں

سائلنٹ کلر

مصنف: علی احمد

یہ کسی فلم یا ایجنٹ کا نام نہیں بلکہ دنیا بھر میں کئی انسان اس خاموش قاتل کے شکار ہیں اور یہ قاتل انسان کے وجود میں آنے کے بعد اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے انحصار اس بات پر بھی کرتا ہے کہ انسان کس خطے یا ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے روزمرہ کی مصروفیات کیا ہیں ،کیا معقول اور صحت مند غذاؤں کا استعمال کیا جارہا ہے ،مکمل نیند لیتا ہے،اور کس شعبے سے تعلق رکھتا ہے ۔دنیا میں پھیلی بیماریاں قدیم ہونے کے ساتھ آج کل سائنس کی طرح ترقی بھی کر رہی ہیں سائنس اور ماہرین جتنا ان بیماریوں کی تہہ یا جڑوں میں جا کر ان کا مطالعہ اور مقابلہ کرتے ہوئے علاج کے طریقے دریافت کررہے ہیں اتنی ہی تیزی سے کئی بیماریاں انسانوں کی اپنی غیر ذمہ داری اور لاپرواہی سے جنم لے رہی ہیں اور روز بروز کئی نئی بیماریوں کا شکار ہو کر انسان موت کے منہ میں جا رہے ہیں ،کسی نے زیادہ کھا لیا تو بیمار ہو گیا کم کھایا تو بیمار،زیادہ خواب و خرگوش کے مزے لیتا رہا تو بیمار نیند پوری نہیں ہو ئی تو بیمار یہ کہنا مناسب ہو گا کہ انسان کچھ کرے یا نہ کرے بیمار ہو ہی جاتا ہے۔کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ البرٹ آئین سٹائین معمولی لیکن خطرناک حد تک پیٹ کی موٹی رگ کے پھیل اور سوج جانے سے موت کا شکار ہوا تھا۔کئی بیماریوں کی اردو میں ٹرانسلیشن کرنا ناممکن ہونے کے ساتھ اردو میں لکھنا نہایت دشوار ہوتا ہے اور اگر حرف بہ حرف درست طریقے سے یعنی ہجے کرکے نہ لکھا جائے تو مطالعہ کرنے میں دقت پیش آتی ہے تاہم ہمیشہ سے میری کوشش رہی ہے کہ انگریزی کے حروف کی درست اور صحیح الفاظ میں بامعنی لکھنے کے ساتھ ساتھ مختصر تشریح بھی کروں اور کسی حد تک کامیاب بھی رہا ہوں اس کالم میں بھی کچھ ایسے پیچیدہ طبّی الفاظ شامل ہیں جنہیں اردو رسم الخط میں تحریر کرنے میں کافی محنت کی ہے تاکہ دوران مطالعہ آسانی رہے۔حالیہ طبّی رپورٹ کے مطابق پیٹ کے اندر پلنے والی قدیم بیماری کا واضح طور سے مطالعہ کیا گیا جس کے نتائج منفی ظاہر ہوئے ہیں ،جرمن ماہرین کا کہنا ہے صرف جرمنی میں پینسٹھ برس سے زائد کے افراد جن کی تعداد پانچ لاکھ ہے اس بیماری میں مبتلا ہیں،پیٹ کی اس بیماری کو کسی بھی زبان میں ادا کر نا نہایت مشکل ہے جبکہ مکمل جانکاری حاصل کرنا اور زیادہ مشکل۔ایبڈو مینل اینیو رسم جسے آڈرنک اینیو رسم بھی کہا جاتا ہے ایک مہلک اور جان لیوا بیماری ہے۔زیادہ تر افراد اسکی علامات اور اثرات سے واقف نہیں کیونکہ یہ خاموشی سے جسم اور خاص طور پر پیٹ میں نہایت خاموشی سے پروان چڑھتی ہے اور اسی لئے اسے خاموش قاتل یعنی سائلنٹ کلر کہا جاتا ہے۔

جرمن ماہر ڈاکٹر لوزِل کا کہنا ہے جرمنی میں پانچ لاکھ افراد اس بیماری کے ابتدائی علاج کے دور سے گزر رہے ہیں جبکہ ایک لاکھ مبتلا ہونے کے بعد زیر علاج ہیں نتائج آنے میں وقت درکار ہوگا ۔طبّی رپورٹ کے مطابق ان افراد کے پیٹ کی خاص رگ پانچ سینٹی میٹر تک پھولی ہوئی اور سوجن ہے جس کے سبب وہ کسی بھی وقت پھٹ سکتی ہے اور ایسے مریضوں کا فوری آپریشن لازمی قرار دیا ہے تاہم کچھ مریضوں کا علاج تشخیص کے بعد شروع کیا جائے گا،الٹرا ساؤنڈ سکین سے ڈاکٹروں نے اس بیماری کا پتہ لگایا ہے لیکن جرمنی میں صحت سے منسلک ادارے سکریننگ کرنے کی ڈاکٹروں کو ادائیگی نہیں کرتے اسلئے کئی مریضوں کو خود ادائیگی کرنا ہوتی ہے جو ایک مہنگا علاج ہوتا ہے تاہم روٹین چیکنگ کے دوران اتفاق سے بذریعہ الٹرا ساؤنڈ اگر معلوم ہو جائے کہ مریض اس بیماری میں مبتلا ہے تو اسکی ادائیگی صحت کا ادارہ کرتا ہے روٹین چیکنگ میں پیٹ کا ا لٹرا ساؤنڈ یا گردے کی تکلیف سے مراد ہے۔فیملی ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ پینسٹھ برس سے زائد افراد کو باقاعدگی سے الٹرا ساؤنڈ کروانا چاہئے اور خاص طور سے ان افراد کیلئے زیادہ اہم ہے جو موٹاپے میں مبتلا ہیں یا ذیابیطس ہونے اور بکثرت تمباکو نوشی کرتے ہیں یا کمر کے درد کی شکایت کرتے ہیں۔پیٹ کے اندرونی نظام میں اکثر معمولی انفیکشن سے بھی اس بیماری میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے کیونکہ انفیکشن کی صورت میں رگیں اکثر زیادہ پھول جاتی ہیں یا اتنی کمزور اور باریک ہوجاتی ہیں کہ پھٹ سکتی ہیں اور خون جاری ہونے کی صورت میں فوری موت بھی واقع ہو سکتی ہے ، زیادہ تر مرد اس بیماری میں مبتلا ہیں کیونکہ مردوں کی روزمرہ زندگی گزارنے کا طریقہ خواتین سے مختلف ہوتا ہے مثلاً حفظان صحت پر زیادہ توجہ نہ دینا وغیرہ۔الٹرا ساؤنڈ سے فوٹوز حاصل کرنے کے بعد دوسرا قدم کمپیوٹر ٹومو گرافی سے مطلوبہ رگ کا پتہ لگانے کے بعد آپریشن لازمی ہوتا ہے ،پیٹ چاک کرنے کے بعد زخمی رگ کے ساتھ مصنوعی عضو کلیمپس لگا دی جاتی ہے جس سے خون کی سرکولیشن جاری رہتی ہے اور پوزیشن تبدیل کر دی جاتی ہے ،سٹینٹ گرافٹ کا استعمال کرتے ہوئے اینڈو ویس کیو لرکی کومبی نیشن سے رگوں کو مضبوط کیا جاتا ہے اور مریض تین سے سات دنوں میں فٹ ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر لوزِل کے مطالعے اور دستاویزی مواد کے پیش نظر ایک سو چوالیس افراد کے سٹینٹ گرافٹ آپریشن ہوئے اور دوہزار پندرہ میں اطالوی میگزین دی اٹالین جرنل آف ویسکولر اینڈوویس کیولر سرجری کے عنوان سے شائع ہوئے جس میں تصدیق کی گئی کہ یہ ہی سائلنٹ کلر کا کامیاب علاج ہے ۔

§§§

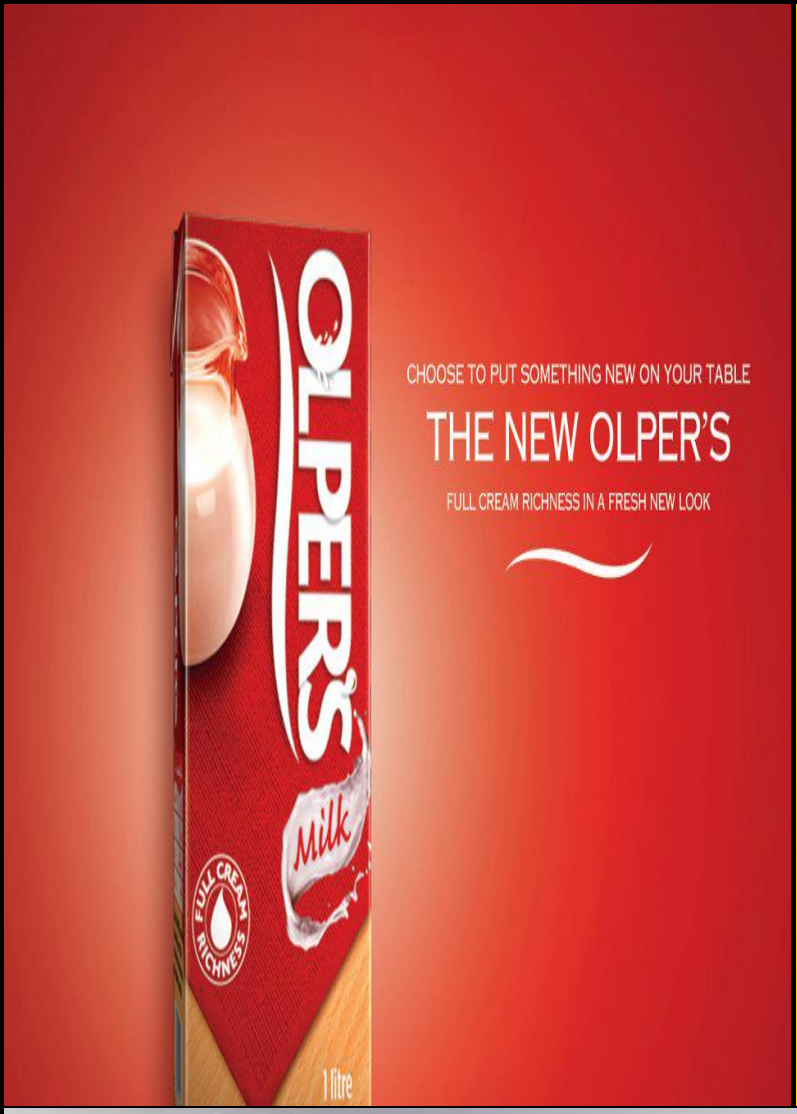

QMobile

No. 1 Selling Smartphone Brand in Pakistan


Shan
Sindhi Biryani Masala
Shan Sindhi Biryani
Dawat Ka Maza Dobala


Fauji
NEW
CORN
FLAKES
Each 30g serving contains
Swiss Technology
500
GRAMS

ماحولیاتی آلودگی کا شکار بچے

مصنف: حاجی بصیر سراج

عالمی ادارہ صحت کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں بچوں کا مستقبل ان کی صحت کے حوالے سے انتہائی خطرے سے دو چار ہے،اس کی وجہ ماحولیاتی آلودگی بتائی گئی ہے۔ اس آلودگی کی وجہ سے ایک اعشاریہ سات ملین بچے ہر سال دنیا بھر میں موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

بچوں کی ہر چار اموات میں سے ایک یا اس سے زیادہ غیر صحتمندانہ ماحول کی وجہ سے ہوتی ہے۔ہر سال ماحولیاتی خطرات جن کا تعلق اندرون یا بیرون سے ہوتا ہے جن میں فضائی آلودگی،دھوئیں کی وجہ سے آلودگی،مضر صحت پانی،غیر مناسب سیوریج کا نظام یا سیوریج کے نظام کی عدم دستیابی اور حفظان صحت کے نظام کی خرابی کی وجہ ہر سال سے ایک اعشاریہ سات ملین بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہے لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت کی دو مزید نئی رپورٹیں بھی منظر عام پہ آئیں جن میں ایک رپورٹ:Inheriting a Sustainable World: کے مطابق ایک ماہ سے پانچ سال کے بچوں کی موت کی وجہ ہیضہ،نلیریا اور نمونہ ہیں،جن کا تدارک ماحولیاتی خطرات کو کم کر کے کیا جا سکتا ہے۔جیسا کہ صاف پانی کا حصول،پکانے کے لئے صاف ایندھن کی دستیابی، عالمی ادارہ صحت کی ڈائرکٹر جنرل Dr Margaret Chan, کا کہنا ہے"آلودہ ماحول خاص طور پہ بچوں کے لئے مہلک ثابت ہوتا ہے۔ان کے بڑھتے ہوئے اعضاء، کمزور مدافعانہ نظام اور ان کی چھوٹے جسم اور ہوا کے راستے انہیں گندے پانی آلودہ ہوا سے غیر محفوظ بناتے ہیں،ان خطرات کا آغاز ماں کے پیٹ سے شروع ہوتا ہےاور قبل از وقت پیدائش کے خطرات کو بڑھاتا ہے۔مزید یہ کہ جب اندرون خانہ یا بیرون جب شیر خوار اور سکول جانے سے پہلے کی عمر کے بچے ہوائی آلودگی اور سگریٹ کے دھوائیں سے متاثر ہوتے ہیں تو ان میں نمونیہ کے خطرات بڑھ جاتے ہیں اور سانس کی متعدی بیماری جیسا کہ دمہ وغیرہ کا شکار ہونے کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔اس کے علاوہ ہوائی آلودگی میں رہنے کی وجہ سے دل کی بیماریوں، کینسر کا بھی خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پانچ بڑی وجوہات جن کا تعلق بچوں کی اموات سے ہے ان کا تعلق ماحولیات سے ہے۔

ایک اور رپورٹ:A companion report, Don't pollute my future! The impact of the environment on children's health نے جامع جائزہ پیش کیا ہے جس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۵۷۰۰۰۰ پانچ لاکھ ستر ہزار بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہیں ہر سال سانس کی بیماریوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں جو کہ فضائی آلودگی اور سگریٹ کے دھوئیں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

۳۶۱۰۰۰ تین لاکھ اکسٹھ ہزار بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہیں صاف پانی تک عدم رسائی،سینی ٹیشن کے نظام کی خرابی اور حفظان صحت کے اصولوں پہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیضہ کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔

۲۷۰۰۰ دو لاکھ ستر ہزار وہ بچے ہیں جو اپنی عمر کے ابتدائی مہینہ میں حفظان صحت کے فقدان، گندے پانی اور فضائی آلودگی کی بدولت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ بیٹھتے ہیں۔

۲۰۰۰۰۰ دو لاکھ بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہے ملیریا کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں ان کی زندگی کو بچایا جا سکتا ہے اگر ماحول کی صفائی کی جائے اور مچھروں کا تدارک کیا

جائے۔

۲۰۰۰۰۰ دولاکھ بچے جن کی عمریں پانچ سال سے کم ہوتی ہں وہ انجانے میں زخمی ہوتے ہیں مثلا زہر خورانی، گرنا اور پانی میں ڈوبنا وغیرہ۔

اوپر دیئے گئے اعداد وشمار اگرچہ کہ پوری دنیا سے لئے گئے لیکن اس تناظر میں آج ہم اپنے حالات کا جائزہ لے سکتے ہیں،کہ ہم ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے کس قدر احتیاط برت رہے ہیں، فضائی آلودگی کے حوالے سے عالمی روپورٹیں ہمارے ملک کے بڑے شہروں کے بارے جاری ہوتی رہتی ہیں کہ کس قدر آ؛ودگی بڑھ رہی ہے،ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق کراچی کی فضا میں اوزون کی تہہ کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، اس کے علاوہ کراچی ہی کی میڈیا رپورٹس موجود ہیں کہ اکثریتی آبادی آلودہ پانی پینے پہ مجبور ہے۔یہ صورتحال پاکستان کے تمام بڑے اور چھوٹے شہروں کی ہے،بڑی بڑی آبادیاں گٹر وں سے آلودہ پانی پیتی ہیں،فضائی آلودگی کا حال یہ ہے کہ نہ ٹریفک کا نظام فعال ہے جو کہ دھواں چھوڑنے والی گاڑیوں کا تدارک کرے اور نہ ہی فیکٹریوں اور ملوں کے دھوئیں اور دیگر ویسٹ کو مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے کا کوئی عملی اور فعال نظام موجود ہے،اور مزید یہ کہ سب سے بری حالت سالڈ ویسٹ کے نظام کی ہے یا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ملک کے کسی بھی حصے میں قابل ستائش سالڈ ویست سسٹم موجود نہیں ہے اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہسپتال سانس،معدے،کینسر، گردے،دل کی بیماریوں کے مریضوں سے اٹے پڑے ہیں۔اور خاص طور پہ بچوں کی اموات ہو رہی ہیں۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ حکومتی سطح پہ ہنگامی بنیادوں پہ کام ہونا چاہئے،خاص طور پہ بلدیاتی نظام کو فعال اور منظم کرنے کی ضرورت ہے اور اس نظام سے کرپٹ اور کالی بھیڑوں کو نکالنے کی ضرورت ہے تاکہ بہتر لوگ آگے آئیں اور ایک منظم سینی ٹیشن،پینے کے صاف پانی، سالڈ ویست میجمنٹ، ٹائون پلاننگ کے ذریعے ماحولیاتی آلودگی سے ملک کو پاک کر نے میں کردار ادا کریں اور اس کے علاوہ ہر فرد معاشرہ پہ انفرادی سطح پہ بھی یہ اولین ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بھی ماحول کو صاف کرنے میں اپنا کردار ادا کرے مثلا سگریٹ نوشی، سے اجتناب گلی و محلے میں کھلی جگہوں پہ کوڑا کرکٹ پھینکنے کی عادت کو ختم کرنا،، اپنے گلی اور گھر کی سیوریج کے نظام کو بہتر بنانا، کھلی نالیوں کو بند کرنا اور حفظان صحت کے اصولوں پہ نہ صرف خود عمل کرنا بلکہ خاص طور پہ بچوں کی تربیت کرنا۔اس حوالے سے خاص طور سکولوں اور کالجوں کی سطح پہ تربیت کا نصاب ترتیب دینا نیز پبلک کی آگاہی کے لئے مہمات اور اس سلسلے میں حکومتی اداروں کے شانہ بشانہ اپنا حصہ ڈالیں ،۔یقیناًاجتماعی کوششوں سے ہی اپنے بچوں کے مستبقل کو محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔

§§§

نئی زندگی

مصنف: سفیان خان

۲۰ جنوری کو گیارہ بجے کلاس سے فارغ ہو کر گھر میں بات چیت ہو رہی تھی کہ پیٹ درد ہلکی ہلکی شروع ہو گئی ،مقامی ڈاکٹر سے دوائی لی مگرآرام نہ آیا شام ۷ بجے اپنے فیملی ڈاکٹر کے پاس گیا تو انہوں نے میو ہسپتال بھیج دیا کہ مسئلہ سنگین ہے ساتھ اپنے لیٹر پیڈ پر ہسپتال کے ڈاکٹرز کو کچھ ٹیسٹ کرنے کا بھی کہا ۔ٹیسٹ کئے تو جگر کا مسئلہ سامنے آیاکچھ آرام آنے کے بعد ہسپتال والوں نے گھر بھیج دیا اگلے دن طبیعت مزید خراب ہو گئی شام فیملی ڈاکٹر کے پاس گیا توانہوں نے پھر میو ہسپتال،میں اپنے میگزین کے ساتھی علی رضا کے ساتھ ہسپتال چلا گیا انہوں نے عارضی علاج کرکے آج پھر مجھے گھر بھیج دیا ۔ اتوار کو طبیعت کچھ ٹھیک رہی پیر کو شام کو طبیعت سخت خراب ہوگئی فیملی ڈاکٹر کے پاس پہنچا تو انہوں نے سب مریضوں کو چھوڑ کر مجھے چیک کیا تو انہوں نے کہا کہ ہسپتال والے آپ کو داخل کیوں نہیں کرتے؟آپ کی طبیعت سخت خراب ہے ۔آپ کو کوئی سنگین مسئلہ درپیش ہے ۔آپ فوری ہسپتال جائیں پھر انہوں نے اپنے لیٹر پیڈ پر سرکاری مہر کے ساتھ ہسپتال کے ڈاکٹرز کو کچھ ہدایات یا آراء لکھ کر مجھے دیں ۔ہم ہسپتال پہنچ گئے ساتھ ہی ماموں ملک محمود الحسن ،سرفراز،حق نواز ،ملک قدیر بھی ہسپتال آگئے ۔ہسپتال ایمرجنسی میں میڈیکل اور سرجری شعبہ جات کے ڈاکٹرز اس بحث میں الجھ گئے کہ یہ ہمارا مریض نہیں ہے ۔مجھے ساتھی میڈیکل والوں کے پاس لے کر جاتے تو وہ کہتے کہ سرجری والوں کے پاس جاؤ سرجری والوں کے پاس جاتے تو وہ کہتے کہ میڈیکل والوں کے پاس جاؤ ۔صورت حال کو دیکھتے ہوئے ملک محمود الحسن ن لیگ لاہور کے جوائنٹ سیکرٹری نے بلال یاسین ایم این اے کو فون کیا کہ ہمارے مریض کو ایمرجنسی میں علاج کی سہولت میسر نہیں بلال یا سین نے ہسپتال فون کیا تو علاج شروع ہوگیا مجھے ۱۰۴ بخار تھا اپنی حالت سے بھی لا علم تھا ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ زندگی کے آخری سانس چل رہے ہیں زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو گیا ۔ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اپنے خالق حقیقی کو کچھ دیر بعد ملنے والا ہوں۔۔۔۔ رات کافی بیت چکی تھی وقت دیکھنا یا پوچھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اپنے آپ کا علم بھی نہ تھا اور یہ بھی علم نہ تھا کہ کہاں ہوں؟ایک وقت ایسا آیا کہ حق نواز بھائی کو دیکھا جو پاس کھڑا انتہائی پریشان تھا مگر شدید بیماری کے باعث اس سے بھی بات نہیں کر سکتا تھا۔

علاج کرتے کرتے دن کی روشنی نمودار ہوگئی مگر مجھے اس کا علم نہ ہو سکا ۔مجھے بیڈ سے اٹھا کر کہیں لیجانے کیلئے سٹریچر پر ڈالا گیا لفٹ کے ذریعے بالائی منزل سے نیچے لایا گیا جب ایمرجنسی سے باہر لایا گیا توچہرے پر بارش کے کچھ قطرات پڑے تو احساس ہوا کہ مجھے کہیں اور لیجایا جا رہا ہے ایمبولینس میں رکھا گیا تو سمجھا شائد کسی اور ہسپتال میں شفٹ کیا جارہا ہے میرا علاج کرنا میو ہسپتال والوں کے بس میں نہیں ہے ۔ایمبو لینس نے پانچ منٹ کے بعد کہیں اتارا وہاں سے مجھے کہیں میں منتقل کیا گیا ۔اس وقت تو علم نہ ہو سکا کہ میں کہاں آگیا ہوں البتہ چار پانچ گھنٹوں کے بعد جب کچھ حالت سنبھلی تو پتہ چلا کہ میو ہسپتال کی گوجرانوالہ وارڈ (ایسٹ سرجریکل وارڈ) میں شفٹ کردیا گیا ہے ۔یہ ۲۴ جنوری ۲۰۱۷ ء منگل کا دن تھا۔ہر روز ڈاکٹرز صبح کو راونڈ کرتے چیک کرکے چلے جاتے، ٹیسٹوں کو روزانہ کی بنیاد پر کیا جانے لگا ایک دن وراڈ کے ہیڈ ڈاکٹر امیر افضل راونڈ کرتے ہوئے میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ اس حالت میں بغیر تشخیص کے جو بھی آپ کا علاج کرے گا وہ خود بھی پریشان ہوگا اور تمہیں بھی پریشان کرے گا ۔ میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ تشخیص کیلئے بتائیں کہ ہم کیا کریں انہوں نے کہا کہ آپ M.R.C.P اورP E.R.C.کروائیں پھر ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے ،میں نے استفسار کیا کہ میو ہسپتال سے یہ ٹیسٹ ہو جائیں گے تو ڈاکٹر امیر افضل نے بتایا کہ میو ہسپتال سے یہ ٹیسٹ نہیں ہو سکتے کیونکہ یہاں پر ان کی سہولت میسر نہیں ہے یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ ایشیاء کے سب سے بڑے ہسپتال میں ان ٹیسٹوں کی سہولت موجود نہیں یہ ٹیسٹ تو انتہائی اہم ہیں ان کی سہولت تو ہر سرکاری ہسپتال میں ہونی چاہیے یہ سہولت نہ ہونے کے باعث مریض تو بہت ذلیل ورسوا ہوتے ہوں گے حکومت کو چاہیے کہ ان ٹیسٹوں کی سہولتوں ملک بھر کے تمام سرکاری ہسپتالوں میں فراہم کرے ۔

M.R.C.P تو گنگا رام ہسپتال سے جلد ہی ہو گئی مگرE.R.C.P کروانا ہمارے لئے مشکل ترین کام ہوگیا کیونکہ اس ٹیسٹ کیلئے جس سرکاری ہسپتال سے رابطہ کرتے تین ماہ ،دو ماہ، پندرہ کا ٹائم ملتا ۔اتنی دیر انتظار کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ ۱۰۴ بخار دن میں دو سے تین بار ضرور ہوتا تھا جس سے حالت انتہائی خراب حد تک پہنچ چکی تھی ۔ حالت کومدنظر رکھتے ہوئے مخلص ساتھیوں ڈاکٹر نجم الدین اور بریگیڈیئر (ر) محمد حنیف صاحب نے سی ایم ایچ سے ای۔آر۔سی۔پی کروانے کا فیصلہ کرلیا دو دن میں ہی یہ ٹیسٹ اللہ کی توفیق اور مدد سے ہوگیا ۔سی ایم ایچ کے ڈاکٹرز نے چھوٹی پتھریاں نکال دیں ایک بڑی پتھری رہ گئی جو آپریشن سے ہی نکل سکتی تھی ۔

دونوں ٹیسٹوں سے جو تشخیص ہوئی وہ یہ تھی کہ جگر کے باہر ایک تھیلی بن گئی ہے اور سی۔بی۔ڈی میں پتھری ہے اور آنتوں میں ہوا بھر ی ہوئی ہے ۔۱۶ جنوری کو آپریشن کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا حسب معمول اسی دن آپریشن ہوگیا یہ آپریشن ڈاکٹر امیر افضل صاحب نے پوری محنت توجہ اور پیشہ وارنہ تجربے سے کیا ۔حالت نازک ہونے کے باعث آئی سی یو میں شفٹ کیا گیا جہاں چھ دن تک زیر علاج رہا ۔پھر باہر شفٹ کردیا گیا آپریشن کے بعد ڈاکٹر وزیر حسن جیسا نرم دل ،محنتی معالج ملا جنھوں نے شب وروز ایک کردیئے بھر پور توجہ دی ڈاکٹر ذیشان سرور،ڈاکٹر کاشف،ڈاکٹر حنیف کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوانرسنگ سٹاف میں سے شکیل بھائی اور دیگر نرسز کی شبانہ روز محنت نے علاج میں اہم کرادر ادا کیا ۔چاردن وارڈ میں رہنے کے بعد ۲۵ جنوری کو ڈسچارج کردیا گیا مگر ڈرین اور ٹی ٹیوب نہیں نکالی کیوں کہ ڈاکٹر امیر افضل نے ڈاکٹرز کو کہا تھا کہ اس مریض کی یہ دونوں نالیاں لگی رہنے دیں جب تک ریڈیالوجی کی رپورٹ نہیں آجاتی۔

ریڈیالوجی کی رپورٹ کے بعد آپریشن تھیٹر میں بلوایا گیا جہاں ڈاکٹرز نے رپورٹ کا مطالعہ کیا تو انھوں نے کہا کہ ابھی دو پتھریاں مزید ہیں صبح وارڈ میں آئیں اگلے دن وارڈ میں گیا تو ڈاکٹر امیر افضل نے رپورٹ دیکھی تو کہا کہ یہ رپورٹ بتا رہی ہے کہ پتھریاں نہیں ہیں جن کو پتھریاں کہا جا رہا ہے وہ درحقیقت پتھریاں نہیں ہیں ۔باقی نالیاں بھی نکال دی گئیں چوبیس گھنٹے وارڈ میں ٹھہرنے کا کہا اگلی صبح راؤنڈ کے دوران مختصر ملاقات کے بعد گھر بھیج دیا گیا ۔چند دن کے بعد فیملی ڈاکٹر ،ڈاکٹر عدنان سرورسے ملاقات کی تو انھوں نے ایک تجربہ کار ڈاکٹر کے پاس الٹراساؤنڈ کیلئے ریفر کیا ۔الٹراساؤنڈ کیا گیا تو رپورٹ وہی تھی جو ڈاکٹر امیر افضل نے کہا تھا۔علاج کے دوران یہ بات خاص طور پر نوٹ کی گئی کہ چھوٹے درجے کے عملہ کی تربیت کا شدید فقدان ہے ۔وارڈز میں لواحقین کے بیٹھنے کیلئے ڈیسک ،پرانے خستہ حال بیڈز اور گدے عوامی خدمت کی دعوے دار حکومت کو منہ چڑھا رہے تھے۔علاج کے دوران اسلامی اخوت و مواخات کا عظیم مظہر دیکھنے کو ملا ۔اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کی حفاظت فرمائے جنھوں نے بیماری کے دوران راقم کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعاون کیا۔

§§§

حکیم صاحب

مصنف: اسد احمد

پنجاب کے شہر گجرانولا میں ایک حکیم صاحب ہوا کرتے تھے، جن کا مطب ایک پرانی سی عمارت میں ہوتا تھا۔ حکیم صاحب روزانہ صبح مطب جانے سے قبل بیوی کو کہتے کہ جو کچھ آج کے دن کے لیے تم کو درکار ہے ایک چٹ پر لکھ کر دے دو۔ بیوی لکھ کر دے دیتی۔ آپ دکان پر آ کر سب سے پہلے وہ چٹ کھولتے۔ بیوی نے جو چیزیں لکھی ہوتیں۔ اُن کے سامنے اُن چیزوں کی قیمت درج کرتے، پھر اُن کا ٹوٹل کرتے۔ پھر اللہ سے دعا کرتے کہ یااللہ! میں صرف تیرے ہی حکم کی تعمیل میں تیری عبادت چھوڑ کر یہاں دنیا داری کے چکروں میں آ بیٹھا ہوں۔ جوں ہی تو میری آج کی مطلوبہ رقم کا بندوبست کر دے گا۔ میں اُسی وقت یہاں سے اُٹھ جائوں گا اور پھر یہی ہوتا۔ کبھی صبح کے ساڑھے نو، کبھی دس بجے حکیم صاحب مریضوں سے فارغ ہو کر واپس اپنے گاؤں چلے جاتے۔

ایک دن حکیم صاحب نے دکان کھولی۔ رقم کا حساب لگانے کے لیے چِٹ کھولی تو وہ چِٹ کو دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ ایک مرتبہ تو ان کا دماغ گھوم گیا۔ اُن کو اپنی آنکھوں کے سامنے تارے چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے لیکن جلد ہی انھوں نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا۔ آٹے دال وغیرہ کے بعد بیگم نے لکھا تھا، بیٹی کے جہیز کا سامان۔ کچھ دیر سوچتے رہے پھشکر۔'' چیزوں کی قیمت لکھنے کے بعد جہیز کے سامنے لکھا ''یہ اللہ کا کام ہے اللہ جانے۔''

ایک دو مریض آئے ہوئے تھے۔ اُن کو حکیم صاحب دوائی دے رہے تھے۔ اسی دوران ایک بڑی سی کار اُن کے مطب کے سامنے آ کر رکی۔ حکیم صاحب نے کار یا صاحبِ کار کو کوئی خاص توجہ نہ دی کیونکہ کئی کاروں والے ان کے پاس آتے رہتے تھے۔

دونوں مریض دوائی لے کر چلے گئے۔ وہ سوٹڈبوٹڈ صاحب کار سے باہر نکلے اور سلام کرکے بنچ پر بیٹھ گئے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اگر آپ نے اپنے لیے دوائی لینی ہے تو ادھر سٹول پر آجائیں تاکہ میں آپ کی نبض دیکھ لوں اور اگر کسی مریض کی دوائی لے کر جانی ہے تو بیماری کی کیفیت بیان کریں۔

وہ صاحب کہنے لگے حکیم صاحب میرا خیال ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ لیکن آپ مجھے پہچان بھی کیسے سکتے ہیں؟ کیونکہ میں ۱۵، ۱۶ سال بعد آپ کے مطب میں داخل ہوا ہوں۔ آپ کو گزشتہ ملاقات کا احوال سناتا ہوں پھر آپ کو ساری بات یاد آجائے گی۔ جب میں پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا تو وہ میں خود نہیں آیا تھا۔ خدا مجھے آپ کے پاس لے آیا تھا کیونکہ خدا کو مجھ پر رحم آگیا تھا اور وہ میرا گھر آباد کرنا چاہتا تھا۔ ہوا اس طرح تھا کہ میں لاہور سے میرپور اپنی کار میں اپنے آبائی گھر جا رہا تھا۔ عین آپ کی دکان کے سامنے ہماری کار پنکچر ہو گئی۔

ڈرائیور کار کا پہیہ اتار کر پنکچر لگوانے چلا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ میں گرمی میں کار کے پاس کھڑا ہوں۔ آپ میرے پاس آئے اور آپ نے مطب کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ادھر آ کر کرسی پر بیٹھ جائیں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ میں نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

ڈرائیور نے کچھ زیادہ ہی دیر لگا دی تھی۔ ایک چھوٹی سی بچی بھی یہاں آپ کی میز کے پاس کھڑی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی ''چلیں ناں، مجھے بھوک لگی ہے۔ آپ اُسے کہہ رہے تھے بیٹی تھوڑا صبر کرو ابھی چلتے ہیں۔

میں نے یہ سوچ کر کہ اتنی دیر سے آپ کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے کوئی دوائی آپ سے خریدنی چاہیے تاکہ آپ میرے بیٹھنے کو زیادہ محسوس نہ کریں۔ میں نے کہا حکیم صاحب میں ۵،۶ سال سے انگلینڈ میں ہوتا ہوں۔ انگلینڈ جانے سے قبل میری شادی ہو گئی تھی لیکن ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ یہاں بھی بہت علاج کیا اور وہاں انگلینڈ میں بھی لیکن ابھی قسمت میں مایوسی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔

آپ نے کہا میرے بھائی! توبہ استغفار پڑھو۔ خدارا اپنے خدا سے مایوس نہ ہو۔ یاد رکھو! اُس کے خزانے میں کسی شے کی کمی نہیں۔ اولاد، مال و اسباب اور غمی خوشی، زندگی موت ہر چیز اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی حکیم یا ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی دوا میں شفا ہوتی ہے۔ شفا اگر ہونی ہے تو اللہ کے حکم سے ہونی ہے۔ اولاد دینی ہے تو اُسی نے دینی ہے۔

مجھے یاد ہے آپ باتیں کرتے جا رہے اور ساتھ ساتھ پڑیاں بنا رہے تھے۔ تمام دوائیاں آپ نے ۲ حصوں میں تقسیم کر کے ۲ لفافوں میں ڈالیں۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ میرا نام محمد علی ہے۔ آپ نے ایک لفافہ پر محمد علی اور دوسرے پر بیگم محمد علی لکھا۔ پھر دونوں لفافے ایک بڑے لفافہ میں ڈال کر دوائی استعمال کرنے کا طریقہ بتایا۔ میں نے بے دلی سے دوائی لے لی کیونکہ میں تو صرف کچھ رقم آپ کو دینا چاہتا تھا۔ لیکن جب دوائی لینے کے بعد میں نے پوچھا کتنے پیسے؟ آپ نے کہا بس ٹھیک ہے۔ میں نے زیادہ زور ڈالا، تو آپ نے کہا کہ آج کا کھاتہ بند ہو گیا ہے۔

میں نے کہا مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آئی۔ اسی دوران وہاں ایک اور آدمی آچکا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ کھاتہ بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آج کے گھریلو اخراجات کے لیے جتنی رقم حکیم صاحب نے اللہ سے مانگی تھی وہ اللہ نے دے دی ہے۔ مزید رقم وہ نہیں لے سکتے۔ میں کچھ حیران ہوا اور کچھ دل میں شرمندہ ہوا کہ میرے کتنے گھٹیا خیالات تھے اور یہ سادہ سا حکیم کتنا عظیم انسان ہے۔ میں نے جب گھر جا کر بیوی کو دوائیاں دکھائیں اور ساری بات بتائی تو بے اختیار اُس کے منہ سے نکلا وہ انسان نہیں کوئی فرشتہ ہے اور اُس کی دی ہوئی ادویات ہمارے من کی مراد پوری کرنے کا باعث بنیں گی۔ حکیم صاحب آج میرے گھر میں تین پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔

ہم میاں بیوی ہر وقت آپ کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ جب بھی پاکستان چھٹی آیا۔ کار اِدھر روکی لیکن دکان کو بند پایا۔ میں کل دوپہر بھی آیا تھا۔ آپ کا مطب بند تھا۔ ایک آدمی پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے کہا کہ اگر آپ کو حکیم صاحب سے ملنا ہے تو آپ صبح ۹ بجے لازماً پہنچ جائیں ورنہ اُن کے ملنے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ اس لیے آج میں سویرے سویرے آپ کے پاس آگیا ہوں۔

محمد علی نے کہا کہ جب ۱۵ سال قبل میں نے یہاں آپ کے مطب میں آپ کی چھوٹی سی بیٹی دیکھی تھی تو میں نے بتایا تھا کہ اس کو دیکھ کر مجھے اپنی بھانجی یاد آرہی ہے۔

حکیم صاحب ہمارا سارا خاندان انگلینڈ سیٹل ہو چکا ہے۔ صرف ہماری ایک بیوہ بہن اپنی بیٹی کے ساتھ پاکستان میں رہتی ہے۔ ہماری بھانجی کی شادی اس ماہ کی ۲۱ تاریخ کو ہونا تھی۔ اس بھانجی کی شادی کا سارا خرچ میں نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ ۱۰ دن قبل اسی کار میں اسے میں نے لاہور اپنے رشتہ داروں کے پاس بھیجا کہ شادی کے لیے اپنی مرضی کی جو چیز چاہے خرید لے۔ اسے لاہور جاتے ہی بخار ہوگیا لیکن اس نے کسی کو نہ بتایا۔ بخار کی گولیاں ڈسپرین وغیرہ کھاتی اور بازاروں میں پھرتی رہی۔ بازار میں پھرتے پھرتے اچانک بے ہوش ہو کر گری۔ وہاں سے اسے ہسپتال لے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس کو ۱۰۶ ڈگری بخار ہے اور یہ گردن توڑ بخار ہے۔ وہ بے ہوشی کے عالم ہی میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئی۔

اُس کے فوت ہوتے ہی نجانے کیوں مجھے اور میری بیوی کو آپ کی بیٹی کا خیال آیا۔ ہم میاں بیوی نے اور ہماری تمام فیملی نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنی بھانجی کا تمام جہیز کا سامان آپ کے ہاں پہنچا دیں گے۔ شادی جلد ہو تو اس کا بندوبست خود کریں گے اور اگر ابھی کچھ دیر ہے تو تمام اخراجات کے لیے رقم آپ کو نقد پہنچا دیں گے۔ آپ نے ناں نہیں کرنی۔ آپ اپنا گھر دکھا دیں تاکہ سامان کا ٹرک وہاں پہنچایا جا سکے۔

حکیم صاحب حیران و پریشان یوں گویا ہوئے ''محمد علی صاحب آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں مجھے سمجھ نہیں آرہا، میرا اتنا دماغ نہیں ہے۔ میں نے تو آج صبح جب بیوی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چِٹ یہاں آ کر کھول کر دیکھی تو مرچ مسالہ کے بعد جب میں نے یہ الفاظ پڑھے ''بیٹی کے جہیز کا سامان'' تو آپ کو معلوم ہے میں نے کیا لکھا۔ آپ خود یہ چِٹ ذرا دیکھیں۔ محمد علی صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ''بیٹی کے جہیز'' کے سامنے لکھا ہوا تھا ''یہ کام اللہ کا ہے، اللہ جانے۔''

محمد علی صاحب یقین کریں، آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ بیوی نے چِٹ پر چیز لکھی ہو اور مولا نے اُس کا اسی دن بندوبست نہ کردیا ہو۔ واہ مولا واہ۔ تو عظیم ہے تو کریم ہے۔ آپ کی بھانجی کی وفات کا صدمہ ہے لیکن اُس کی قدرت پر حیران ہوں کہ وہ کس طرح اپنے معجزے دکھاتا ہے۔

حکیم صاحب نے کہا جب سے ہوش سنبھالا ایک ہی سبق پڑھا کہ صبح ورد کرنا ہے ''رازق، رازق، تو ہی رازق'' اور شام کو ''شکر، شکر مولا تیرا شکر

§§§

ننھی پری

مصنف: حاجی بصیر سراج

میں حسبِ معمول اپنے گھر کے قریب وسیع و عریض پارک میں شام سے پہلے واک کر نے آیا ہوا تھا سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا گرمیاں رخصت ہو رہی تھیں ٹھنڈی ہوا ؤں میں خنکی کا احساس بڑھ رہا تھا موسم کی خوشگواریت کی وجہ سے بہت سارے لوگ پا رک میں آئے ہو ئے تھے بچے ، نوجوان، بڑھے اور بو ڑھے ہر ہر عمر کے لو گ سبزہ پھول درخت جھیل ہر طرف خدا ئی قدرت اپنی رعنائی کا اور دلکشی کا مسحور کن احساس دلا رہی تھی کیونکہ گرمی کے بعد اب ٹھنڈ شروع ہو چکی تھی اِس لیے واک کر نے والے اور پارک کی سیر کر نے والوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی میں جو بچپن سے سبزے ہریالی درخت پھول جھیل فطرت کا شوقین ہوں سب کچھ انجوائے کر تا ہوا تیزی سے مٹی کے واکنگ ٹریک پر ادھر ادھر دیکھتا بڑے بڑے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا حسبِ معمول میرے ہونٹوں پر اسماء الحسنی کا ورد جا ری تھا پارک سبزہ فطرت کے خوبصورت منا ظر اوراللہ کا ذکر سبحان اللہ میرا جسم اور روح کیف انگیز کیفیت کو انجوائے کر رہے تھے خوشگوار موسم کے اثرات سے میرا جسم روح سرشاری کی حالت میں تھے دوران واک چند ایسے دوستوں کا سامنا بھی ہوا جو اکثر یہاں واک کر تے ہیں ان سے مسکراہٹ کا تبادلہ کر کے میں آگے بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ پا رک میں لا ہو ر کے لوگوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد مسافروں یا با ہر سے آنے والے لوگوں کی ہوتی ہے مختلف علاقوں سے آنے والے لوگوں کا اپنا اپنا کلچر زبا نیں رنگ و جسامت یہ سب مل کر ایک مخلوط کلچر سا بنادیتے ہیں میں اُن کو بغور دیکھتا جا رہا تھا اکادکا نئے شادی شدہ جو ڑے بھی نظر آرہے تھے جو دنیا ما فیہا سے بے خبر اپنی ہی دھن میں ہا تھوں میں ہا تھ ڈالے بیٹھے یا چلتے نظر آرہے تھے یہ نئے شادی شدہ جو ڑے اپنی ہی دھن میں شادی کے خمار میں مست چہروں پر رنگوں کی قوسِ قزح بکھیرے نظراسدہے تھے میں چونکہ بچپن سے متجسس مزاج رکھتا ہوں اور اِس لیے بغور لوگوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑ ھ رہا تھا پا رک میں اکثر نوجوانوں کے مختلف ٹو لے بھی نظر آتے ہیں جو نوجوان لڑکیوں کو چھیڑنے یا آوازیں کسنے سے باز نہیں آتے وہ بھی نظر آرہے تھے ہر شریف انسان کی طرح مجھے بھی ان پر بہت غصہ آتا تھا لیکن ساتھ یہ بھی سوچ کہ یہ عمر ہی ایسی ہے جس میں خو ف ہوش کی بجا ئے صرف جوش اور جوش ہی ہو تا ہے اِس لیے ایسے لڑکوں کو نظر انداز کر دیتا میں واک کر تا ہوا پا رک کے ایسے حصے میں آگیا جہاں مجھے ایسا ہی اوباش نوجوانوں کا ٹولا نظر آیاجو شاید کسی لڑکی کو تنگ یا اُس پر آوازیں کس رہے تھے میں روزانہ کی طرح نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا لیکن جب واک کر تا ہوا پو را چکر لگا کر دوبارہ اُسی جگہ پر آیا تو دیکھا کہ وہ لڑکے اُسی طرح ہی لڑکی کو تنگ اور آوازیں کس رہے تھے اب میں نے بغور اُس لڑکی کی طرف دیکھا تو سامنے ایک پندرہ سولہ سال کی سکو ل کے یو نیفارم میں ملبوس کسی چھوٹے شہر کی دھان پان سی سادہ لڑکی نظریں جھکا ئے بیٹھی تھی اُس کی گود میں اُس کا کتا بوں کا بیگ بھی تھا پہلے تو میں ہلکا مزاق سمجھ کر گزر گیا اب مجھے معاملہ سنجیدہ نظر آنے لگا میں تھوڑی دور جا کر رک گیا اور حالات کا سنجیدگی اور نزا کت کا احساس کر نے لگا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا تین یا چارلڑکے تھے جو بار ی باری اُس کو تنگ کر رہے تھے وہ لڑکی سر جھکا ئے بیٹھی تھی اُس کے پاس اُس کی کو ئی ساتھی یا بزرگ نہیں تھا میں نے چند منٹوں میں ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ اکیلی لڑکی ہے اِس کے ساتھ کو ئی بھی نہیں سورج غروب ہو نے کو تھا رات کا آنچل تیزی سے روشنی کو نگل رہا تھا نیم اندھیرے کی وجہ سے لڑکوں کی بد تمیزی میں اضا فہ ہو تا جا رہا تھا بلکہ وہ شاید اندھیرے کا انتظار کر رہے تھے تا کہ وہ زیادہ بد تمیزی کر سکیں میں سچوئیشن کو بھا نپ چکا تھا کہ کو ئی اِس لڑکی کو یہاں چھو ڑ کر بھا گ گیا ہے اور یہ بیچاری اُس کا یا تو انتظار کر رہی ہے یا پھر اِس کو سمجھ نہیں آرہی کہ اب اِس پر دیسی شہر میں وہ کیا کر ے وہ مجبوری بے بسی کا بت بنی بیٹھی تھی اب میں جان چکا تھا کہ لڑکی شدید خطرے میں ہے اور کسی خو فنا ک حا دثے کا شکا ر ہو سکتی ہے میں نے فوری طور پر اپنے واقف سیکو رٹی گارڈ کو بلا یا اور اُس لڑکی کی طرف بڑھا مجھے اور سیکو رٹی گار ڈکو آتے دیکھ کر اوباش بڑے تیزی سے بھاگ گئے میں آہستہ آہستہ بیٹی کے پاس ہو گیا اور اُس کے سامنے بیٹھ گیا پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر بری طرح ڈر گئی خوف اور پر دیس کی وجہ سے اُس کا جسم لرز رہا تھا اُس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیلی ہو ئی تھی اور آنکھوں میں خوف دہشت و یرانی اور قبرستان کے سناٹے کا راج تھا میں شفیق لہجے میں بو لا بیٹی مجھ سے ڈرو نہ میں آپ کے با پ جیسا ہو ں تم میری بیٹی ہو اب تمہیں کو ئی خطرہ نہیں ہے آپ میری بیٹی ہو اب تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میرے لہجے کی شفقت اور مٹھاس سے اُس کی آنکھوں میں زندگی کی رمق لہرائی اور اُس نے میری طرف دیکھا میرے شفقت سے لبریز لہجے سے اُس کے اندر جیسے کو ئی آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ پڑا جیسے خو دبخود کو ئی والو کھل گیا ہو اور پا نی بہنا شروع ہو گیا اُس کی معصوم آنکھوں میں عجیب سا سیلاب تھا جو اب بند تو ڑ کر بہہ نکلا تھا نہ اُس کے چہرے کا زاویہ بدلا نہ ہی کو ئی آہ بکا نہ سسکی نہ چیخ نہ آواز پا نی اُس کی آنکھوں سے اُس کے رخساروں کو مسلسل تر کر نے لگا اُس کے اندر کا کرب اُس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا خو ف اور دہشت سے وہ شاید قوت گو یائی سے محروم ہو چکی تھی آنسوؤں کی کثرت نے اُس کی قوت گو یا ئی چھین لی تھی یا وہ لکنت کا شکا ر ہو چکی تھی مجھے اُس پر بہت پیا رآرہا تھا میں اُس کی بے بسی اور آنسوؤں کی برسا ت سے اندر ہی اندر کٹ رہا تھا وہ ننھی معصوم پری آپنے آنسوؤں سے اپنے اوپر ہو نے والے طلسم کی داستان سنا رہی تھی ۔ میرے شفقت بھرے رویے کی وجہ سے اُس نے کئی بار بو لنے کی کو شش کی لیکن زبان شاید اُس کے اختیار میں نہیں تھے یا خوف نے اُس کے جسم و جان کو اِس بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ الفاظ زبان پر آنے سے پہلے ہی تہلیل ہو جا تے تھے اُس کے اعصاب اور عضلات کسی بہت بڑی منفی کیمیا ئی تبدیلی سے گزرے تھے کہ اُن کا اِس میں تا ل میل ختم ہو حرکت بیٹھی تھی مجھے لگ رہا تھا وہ شاید نیم فالجی کیفیت کا شکار ہو چکی ہی وہ اپنے آپ میں نہیں تھی اُس کا جسم اور دما غ کسی شدید حا دثے سے گزرنے کے بعد کا م کر نا چھوڑ چکے تھے اُس کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہ جا رہی تھی میں نے اپنا ہا تھ بڑھا کر اُس کے سر پر رکھ دیا محفوظ ہو تم بالکل نہ ڈرو وہ خا موش گہری نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی درد دکھ نمی بن کر اُس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا وہ رونے کی کو شش نہیں کر رہی تھی آنسو اُس کے ضبط کے سارے بندھن تو ڑ کر خو د بخود بہے جا رہے تھے اُس کے اندر پتہ نہیں کتنے سمندروں کا پانی تھا جو ختم ہو نے کا نام نہیں لے رہا تھا اُس کا معصوم نا زک چہرہ لگا تار آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا میں چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ بو لے الفاظ نکلے وہ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا گیا اور پھر بلک بلک کر رونے لگی ۔

§§§

ہمارا گھر مندر بن گیا تھا

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

ایک مضمون دیکھئے کچھ اس طرح لکھا ہے کہ ‘‘ گھروں سے دریافت ہونے والی عجیب اشیاء کوئی مالا مال تو کوئی خوف سے نڈھال ‘‘

اس میں مغربی ممالک میں مختلف گھروں سے پرانے مکینوں کی چھوڑی ہوئی اشیا کے بارے میں بتایا گیا ہے - آسٹریا میں کسی گھر میں مکین کو باتھ روم کی دیوار سے ایک کوریائی میزائل ملا - ایک امیر جرمن باشندے کو اپنے گھر کے تہہ خانے سے جنگ عظیم کے دور کے ہتھیار ملے جن میں ایک ٹینک اور توپ بھی شامل تھی- اسی طرح ایک دوسرے ملک چیک ری پبلک میں گھر کے اندر کسی کام کے سبب کھدائی کی گئی تو کسی گرجا گھر کی چار صد سال پرانی گھنٹی ملی -

لیکں یہ حیرانی کی بات نہیں ہے - پاکستان مین بھی ایسی اشیا نکلتی رہتی ہیں -

اور ایسی ہی کچھ اشیا مجھے ماضی کی وادیوں میں لے جا رہی ہیں -- نوشکی -بلوچستان کا ایک دور افتادہ مقام ہے جو تقریباً ایران جانے والی شاہ راہ پر واقع ہے - یہ قصبہ انگریزوں نے نہایت ہی منصوبہ بندی سے بنایا تھا - تمام سڑکیں گلیاں کشادہ اور ایک دوسرے کے سے قائمہ زاویہ بناتی ہوئی ملتی ہیں - یہ 1954 - 55 کا زمانہ تھا -ہم اسی خوبصورت قبضے میں رہتے تھے - مکان کا نمبر بھی ابھی تک یاد ہے - یہ 102 تھا - انگریزوں نے اپنے لئے ایک ٹینس کورٹ بھی بنایا ہوا تھا - جس کے فرش پر ہم خانے بنا کر اسٹاپو وغیرہ کھیلا کرتے تھے -

قیام پاکستان سے قبل یہاں ہندو کافی تعداد میں تھے کیونکہ ارد گرد کے علاقوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا تجارتی مرکز تھا اور ہندو اس تجارت کے کرتا دھرتا تھے - قیام پاکستان کے بعد کافی تعداد میں ہندو یہاں سے ہجرت کر کے بھارت چلے گئے تھے لیکن پھر بھی ان کی ایک کافی تعداد رہ گئی تھی -

ایک دن اباجان مرحوم نے گھر کے صحن میں کیاری بنا کر مختلف پھول لگانے کا ارادہ کیا - دروازے کے قریب ہی ایک مناسب جگہ دیکھ کر کھدائی کی - ہم بچے بھی اباجان کا ساتھ دے رہے تھے اور مٹی اٹھا اٹھا کر قریب ہی ڈھیر کرتے جا رہے تھے - اچانک ایک چھوٹا سا پتھر نیچے گرا - میں چونک گیا کہ پوری مٹی میں پتھر نہین تھا یہ کہاں سے نکل آیا - اسے اٹھایا اور اسے دیکھنے لگا - بھائی جان جو قریب ہی کھڑے تھے انہیں بھی تجسس ہوا اور وہ بھی کام چھوڑ کر میرے قریب آگئے اور اسکی مٹی صاف کر نے لگے - اور ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ وہ پتھر نہیں تھا بلکہ ایک گائے کی شکل کا کھلونا تھا ۔

میں اس وقت چار پانچ برس کا تھا - میں نے تو اسی وقت اس سے کھیلنا شروع کردیا -

اباجان مرحوم نے کیاری میں بیج بودئے - ایک دو پنیریاں بھی اباجان مرحوم نے کہیں سے لا کر لگا دیں - ایک دو دن گزر گئے - ہم نے گائے کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی-

نہ جانے ہندووں کو کیسے اس کا علم ہو گیا -

غالباً باجی مرحومہ یا بھائی جان میں سے کسی نے اسکول میں میں تذکرہ کیا تھا اور کسی ہم جماعت کو وہ گائے دکھائی بھی تھی - اس کے بعد تو ہندو خواتین کا ہمارے گھر تانتا بندھ گیا- وہ نہ جانے کیا کیا چیزیں لے کر آتیں ، اور اس مقدس پوتر د ھرتی جہاں سے لکڑی کی گائے نکلی تھی کے پھیرے لگا تیں - پھر کسی نادیدہ ہستی کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتیں اور سر نہوڑائے بیٹھ جاتیں - دھیمی دھیمی آواز میں کوئی اشلوک پڑھتیں - اس کیاری کی مٹی کو اپنی انگلی سے چھوتیں اور نہ جانے کیا رسومات کرتیں - ان کے پاس ایک چھوٹی سی گھنٹی ہوتی تھی اسے ہلکی ہلکی آواز میں بجاتی تھیں - ان کی کوشش ہوتی کہ جب والدین نہ ہوں اس وقت آئیں اور اپنی رسومات ادا کریں - یہ کیا ہو رہا تھا اس کا تو ہم بچوں کو علم نہیں تھا لیکن ان کے آنے سے ہم خوش بہت ہوتے تھے کیوں کہ وہ طرح طرح کی مٹھائیاں ' لڈو وغیرہ پیتل کی تھالیوں میں رکھ کے لاتیں اورکیاری کے گرد ان کو لیکر گھومتں اور ہمیں بھی پرشاد ہے کہہ کر دیتی تھیں - ہمارا گھر تو ایک قسم کا مندر بن گیا تھا- بعد میں امی آتیں تو ہمیں بہت غصہ ہوتی تھیں - خیر بعد میں اباجان نے وہ گائے وہاں کے ایک معتبر ہندو کو دے دی تھی - ہندو اس مقام سے بہت سی مٹی بھی کھود کر لے گئے تھے - ان کا کہنا تھا کہ یہ پوتر مٹی ہے - اس کے بدلے میں ہندوؤں نے کہیں اور سے مٹی لا کر ڈال دی تھی -

اسطرح کا ایک قصہ ابن صفی (مشہور جاسوسی ناول نگار -- عمران فریدی اور کیپٹن حمید کے کرداروں کے خالق) کے فرزند جناب احمد صفی بھی بیان کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ راولپنڈی میں نانا ابو کو جو گھر فوج کی طرف سے الاٹ ہوًا وہ اس سے قبل کسی ہندو خاندان کا تھا جو ہجرت کر گیا تھا-- والدہ مرحومہ نے بتایا کہ ایک کمرے کی دیوار دہری بنی ہوئی تھی اور اس پر ہا تھ مارتے تو جیسے برتنوں کے جھنجھنانے کی آواز آتی تھی--- نانا ابو کے سخت حکم کی وجہ سے کسی نے بھی اس دیوار کو نہ چھیڑا - بعد کو جب یہ مکان کسی اور کو بیچا گیا تو یہ معلوم ہوًا کہ انہوں نے اس دیوار کو توڑا تو اندر سے گر ہستی کا پورا سامان برآمد ہوا - شائد کسی کے جہیز کے لیے رکھا گیا تھا --- اور نہ جانے اس سامان کے علاوہ کیا کیانکلا ہو جس کا پتہ ہی نہ چل سکا--- ہجرت کے زمانے میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں -

اس طرح کا ایک واقعہ جنگ اخبار کے کالم "ناقابل فراموش " میں بھی چھپا تھا - ایک مسلمان خاندان بھارت سے ہجرت کر کے آیا تو اس خاندان کو کراچی میں کوئی فلیٹ الاٹ ہوا - وہ اس میں رہنے لگے - ایک دن کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو پتہ چلا کہ کوئی اجنبی ہے -اس نے بتایا کہ وہ ہندوستان سے آیا ہے اور ہجرت سے پہلے اسی فلیٹ میں رہتا تھا - اس نے یہ بھی کہا کہ وہ ہندو ہے - دو تین دن فلیٹ میں آتا رہا - پھر ایک دن اس نے راز دارانہ انداز میں کہا کہ اس کے پاکستان آنے کا ایک مقصد ہے - اس نے یہ بھی کہا کہ محلے والے اس خاندان کے اخلاق، کردار اور ایمانداری کی بہت تعریف کر رہے تھے - اس ہندو نے کہا کہ یہ سب کچھ معلوم کر نے کے بعد اسے امید واثق ہے کہ مقصد میں کامیابی ہو جائے گی - اس تمہید کے بعد اس ہندو نے کہا کہ بٹوارے کے وقت جب وہ ہندوستان جا رہا تھا تو اس کے پاس بہت سا سونا تھا لیکن اس وقت کے حالات میں اسے لے جانا بہت دشوار تھا - آخر اس ہندو کو ایک ہی حل سمجھ میں آیا کہ سونا اسی فلیٹ میں چھوڑ دیا جائے اور بعد میں حالات صحیح ہو جائیں تو لے جائے - اس ہندو نے سونے کو باریک سی تار میں تبدیل کیا اور گھر کی چھت اور دیواروں میں بچھی ہوئی بجلی کی تاروں کے ساتھ ساتھ یہ سونے کی تار بھی بچھادی - اس ہندو نے کہا کہ اب اسکی بہن یا بیٹی کی شادی ہے اور وہ اس امید پر پاکستان آیا ہے کہ اسے اپنا سونا مل جائے گا

پاکستانی نے بغیر کسی تردد کے کہا " مجھے تو اس کا علم نہیں لیکن جناب یہ آپ کی امانت ہے -آپ بلا کسی تامل کے اپنی امانت لے جا سکتے ہیں "

ہندوستان سے آئے ہوئے فرد کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا - وہ تو سوچ کر آیا تھا کہ نئے مالک مکان کو اس میں سے نصف حصہ دے دے گا لیکن یہاں تو ایسی کوئی بات ہی نہیں تھی - خیر قصہ مختصر سابق مالک نے پوری رات لگا کر بجلی کی تاروں کےساتھ لگا ہوا اپنا سونا نکال لیا - اس نے نئے مالک مکان کو ایک بار پھر اپنی پیش کش دہرائی لیکن پاکستانی کا کہنا تھا کہ وہ شے جس کا مکان سے کسی طرح کا تعلق ہی نہیں بنتا وہ کیسے لے سکتا ہے -

قصہ مختصر ہندوستانی باشندے نے سونے کی تاریں لیں - اس نے جانے کیا انتظام کئے تھے کہ بخیریت اپنے ملک چلا گیا - وہاں جا کر خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع دی- دو مہینے بعد اس کی طرف سے شادی کارڈ بھی آیا جس میں اس پورے پاکستانی خاندان کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی-

ناقابل فراموش میں شائع شدہ کہانی سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ غالباً 1960 یا 1961 کا قصہ ہے - ہمارے بزرگ بتاتے ہیں کہ جب وہ مشرقی پنجاب یا بھارت کے دیگر علاقوں سے ہجرت کر کے پاکستان آئے اور الاٹ شدہ مکان میں داخل ہوئے تو ایسے لگتا تھا کہ اصل مکین کہیں نزدیک ہی گئے ہیں - جانے والے ہندؤں کو کامل یقین تھا کہ واپس اپنے گھروں میں آئیں گے

- قرہ العین حیدر اپنی کتاب ''روشنی کی رفتار '' صفحہ 116 پر لکھتی ہیں کہ جب اسپین سے مسلمان نکل کر مراکش پہنچ رہے تھے تو وہ اپنے اندلسی گھر کی چابیاں مراکش میں دیواروں پر ٹانگ دی تھیں انہیں امید تھی کہ واپسی ہو گی۔

§§§